© rasailojaraid.com

اسلامی حکومت اور
اُس کی معاشی ذمہ داریاں

جناب محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار

اسلامی حکومت کے فرائض میں جہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اسلامی تعلیم و تربیت، دفاع، دعوت الی الحق اور اس سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو جہاد، عدل و قسط اور امن و امان کے قیام کے ذریعے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کرنا سرفہرست ہے۔ وہاں اُس کی معاشی نوعیت کی ذمہ داریاں بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے بغیر وہ اپنے وسیع مقصد میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتی۔ اسلامی حکومت کی معاشی ذمہ داریوں میں اعداد و شمار اور کفالت عامہ، معاشی تعمیر و ترقی کا انتظام اور تقسیم دولت میں پائے جانے والے تفاوت اور فرق کو کم کرنا شامل ہے۔ زیر موضوع مقالہ میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کے ان ہی پہلوؤں پر مفصل بحث کی جائے گی۔

اعداد و شمار اور کفالتِ عامہ

اسلام کے معاشی نظام میں اعداد و شمار بظاہر دخیل نظر نہیں آتا لیکن بنیادی طور پر معاشی مسائل میں اعداد و شمار کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ جب تک کسی ملک کی صحیح مردم شماری نہ کی جائے اور پھر عوام کی معاشی زندگی کے درجات یعنی برسر روزگار، بے روزگار، تاجر، کاریگر، نیز معذور، فقیر صاحب مرض اور صاحب حاجت افراد کے صحیح اعداد و شمار مرتب نہ ہوں اور زمین، کارخانے، معدنیات یعنی محاصل و مصارف کی تعیین میں اعداد و شمار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر کوئی حکومت نہ اس مقصد کی تکمیل کر سکتی ہے کہ قلمرو حکومت میں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے اور نہ وہ معاشی عدل وانصاف کا حقیقی توازن قائم رکھ سکتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر جب فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہوگیا تو اعداد و شمار کو خاص اہمیت دے کر خلافت کے مختلف مسائل میں ان سے مدد لی گئی۔ چنانچہ جب مفتوحہ ممالک سے کثیر مال و دولت حاصل ہوا تو آپ نے صحابہؓ کے مشورہ سے عطایا اور وظائف کے سلسلے میں مردم شماری کے رجسٹر قبائل اور منازل کے لحاظ سے مرتب کرائے اور حضرت عثمانؓ نے تو اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا:

"اریٰ مالا کثیراً یسع النّاس وان لم یحصوا حتی تعرف من اخذ ممن لم یأخذ خشیت ان ینتشر الامر"[1]

ترجمہ: میں دیکھ رہا ہوں کہ مال اب اس قدر کثرت کے ساتھ حاصل ہو رہا ہے کہ لوگوں کے لیے وسعت کے ساتھ کفایت کر سکتا ہے۔ سو اگر لوگوں کا شمار کر کے ان کی تعداد کا احاطہ نہ کیا گیا تاکہ پانے والے اور نہ پانے والے کا صحیح پتہ معلوم ہو سکے تو مجھ کو خوف ہے کہ اس معاملہ میں انتشار نہ پیدا ہو جائے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ کی اس رائے کو شرفِ قبولیت سے ہمکنار کیا:

وکتب الناس علی قبائلھم وفرض لھم العطاء[2]

ترجمہ: اور لوگوں کی قبائل وار فہرست بنائی اور ان کے روزینے مقرر کیے۔

فدعا عقیل بن ابی طالب ومخرمہ بن نوفل وجبیر بن مطعم وکانوا من نسّاب قریش فقال اکتبوا الناس علی منازلھم[3]

---

[1] طبری جلد ۵ ص ۲۲-۲۳

[2] ایضاً

[3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جُبیر بن مطعم کو بلایا اور یہ تینوں قریش کے نسب کے ماہر تھے اور فرمایا کہ لوگوں کا شمار ان کے مکانات کے اعتبار سے کرو۔

اعداد و شمار کی اہمیت کے یہی اسباب تھے جن کی بدولت تدوینِ دواوین کا افتتاح ہوا

والسبب فی تدوین الدواوین ان عامل عمر علی البحرین اتاہ یومًا بخمس مائۃ الف درھم فاستعظمھا وجعل علیھا حراسًا فی المسجد فاستشار علیہ بعض من عرفوا فارس والشام ان یدون الدواوین یکتبون فیھا الاسماء وما لواحد واحد وجعل الارزاق مشاھرۃ[1]

ترجمہ: ابتدا میں اعداد و شمار کے رجسٹروں کی ترتیب کا سبب یہ پیش آیا کہ بحرین کے گورنر کے پاس سے پانچ لاکھ درہم موصول ہوئے حضرت عمرؓ نے اس کو بڑی تعداد سمجھتے ہوئے مسجد میں اس پر محافظ مقرر کر دیے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا اور بعض صحابہؓ نے جو فارس و شام کے حالات سے واقف تھے یہ مشورہ دیا کہ رجسٹروں کی ترتیب کی جائے جن میں لوگوں کے نام اور ان سے متعلق روزینہ کا تذکرہ ہو اور روزینہ کا معاملہ ماہواری ہو جائے۔

حضرت بلالؓ جب بحرین سے مال کثیر لے کر آئے تو حضرت عمرؓ نے مجلس مشاورت طلب فرمائی اور ارشاد فرمایا:

ایھا الناس انہ قد جاء مال کثیرٌ فان شئتم ان نکیل لکم کلنا وان شئتم ان نعدّ کم عددنا وان شئتم ان نزن لکم وزنا لکم فقال رجلٌ من القوم یا امیر المؤمنین دوّن للنّاس دواوین یعطون علیھا فاشتھی عمر ذالک[2]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ ص ۳۶۲

[2] کتاب الخراج ص ۴۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: "لوگو یہ مال کثیر آیا ہوا ہے پس اگر تم چاہو تو میں پیمانہ سے ناپ کر تم میں بانٹ دوں اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ گن کر دوں تو شمار سے بانٹ دوں اور اگر یہ مرضی ہو کہ وزن کر کے دوں تو اس طرح تول کر دوں۔ قوم میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا امیر المؤمنین لوگوں کے شمار کے لیے رجسٹر مرتب کرائیے تاکہ اس کے مطابق وظائف دیا کریں حضرت عمرؓ نے اس کو بہت پسند کیا۔"

اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ان کنت صادقاً لیاتین الراعی نصیبہ من ھذا المال بالیمن ودمہ فی وجھہ[1]

ترجمہ: بلال اگر یہ سچ ہے کہ روپیہ کی مقدار وہ ہے جو تم بتا رہے ہو تو پھر یمن کے رہنے والے چرواہے تک کا اس مال میں حصّہ ہے بایں حالت کہ سفر کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتماتا ہوا ہو۔

اس جگہ یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ اعداد و شمار اور رجسٹروں کی ترتیب کا یہ سلسلہ تو ہر ایک حکومت میں ہوتا ہے اور مختلف ضروریاتِ حکومت میں سے یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے خواہ وہ حکومت سرمایہ دارانہ نظام کی حامی ہو یا اس کی مخالف و معاند ہو اس کا صالح معاشی نظام کے بنیادی مسائل سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ اعداد و شمار اور اس سے متعلق دواوین و سجلات کا ہر قسم کی حکومت کے ساتھ تعلق ہے اور کسی خاص طرز حکومت کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اس سلسلہ میں صالح معاشی نظام اور فاسد معاشی نظام کے درمیان یہ فرق ہے کہ جس حکومت کا نظام ایسے اصول پر قائم ہے کہ ان سے مذموم سرمایہ داری عالمِ وجود میں آتی ہے تو اس نظامِ حکومت میں اعداد و شمار کی اہمیت اس لیے ہوگی کہ اس سے معلوم کیا جائے کہ ملک میں سرمایہ داری اور سرمایہ داروں

---

[1] کتاب الخراج ص ۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ترقی کی صورت کیا ہو اور کس طرح اس ناپاک مقصد کو ترقی دینے کے لیے عوام اور غریب طبقے کو آلۂ کار بنایا جائے اور اس کے برعکس جب حکومت کا طرز و طریق سرمایہ داری کے خلاف خلقِ خدا کی فلاح و بہبود پر قائم ہے اس کے نظامِ معاشی میں اس مسئلہ کی اہمیت اس طرح کارفرما نظر آئے گی کہ ہر ممکن طریقہ سے اس کو عوام و خواص سب کی حاجت روائی کے لیے ذریعہ بنایا جائے، بخصوصاً محروم المعیشت افراد کی حق رسی کا بہترین وسیلہ ثابت ہو۔

اسلام میں اعداد و شمار کی اہمیت ان ہر دو نظریوں میں سے دوسرے نظریے کے پیشِ نظر ہے اس لیے معاشی نظم و انتظام کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اولی الامر اپنے قلمرو میں مردم شماری کا انتظام کرے اور مسلم و غیر مسلم کی تفصیلات کو جُدا جُدا رجسٹروں میں درج کرائے، تاکہ کفالت عامہ کی عظیم ذمہ داری سے سرخرو ہو سکے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کفالتِ عامہ سے کیا مراد ہے؟ در اصل کفالتِ عامہ کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ دار الاسلام کے حدود کے اندر رہنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا بندوبست کیا جائے یہ بندوبست اس درجہ تک ہونا چاہیے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہنے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازمی طور پر شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر فرد کو ان ضروریات کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات کی مطلوبہ مقداریں بہم پہنچاتی رہے۔ بلالحاظ اس کے کہ وہ خود اپنے مال سے یا اپنی محنت کے ذریعے کسبِ مال کرکے ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے یا نہیں جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ عام حالات میں عام افراد ان ضروریات کو خود اپنے طور پر پورا کرتے رہیں گے۔ بقدرِ ضرورت مال نہ حاصل کر سکنے والے افراد کو اپنے خاندان یا عام افراد اجتماع سے اتنی مدد مل سکے گی کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری، مرض، بڑھاپے یا کسی حادثے کے سبب معذور ہو جانے کی صورت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ سماجی تحفظ کے ان انتظامات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس اصول کا منشاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی فرد ان انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو بالآخر اسلامی حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کے لیے درکار ہیں۔ حکومت کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے بآسانی اجتماعی خزانے سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور دار الاسلام کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔ حضورؐ نے یہ اصول واضح فرما دیا ہے کہ اصحاب امر محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں۔ حدیث نبوی ہے:

من ولاّہ اللّٰہ عزّوجل شیئًا من امور المسلمین فاحتجب دُون حاجتھم وخلّتھم وفقرھم احتجب اللّٰہ تعالیٰ عنه دون حاجته وخلّته وفقره [1]

ترجمہ: جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ انکی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔

قال عمرو بن مرّة لمعاویة انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: ما من امامٍ یغلق بابه دون ذوی الحاجة والخلّة والمسکنة الا اغلق اللّٰہ ابواب السماء دون خلّته ومسکنته۔ فجعل معاویة رجلاً علیٰ حوائج الناس [2]

ترجمہ: عمرو ابن مرّہ نے معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر دیتا ہے اللہ اس کی ضروریات، فقر اور مسکینی پر آسمان کے دروازے

---

[1] ابوداؤد: کتاب الخراج والفئ والامارة۔ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیة والاحتجاب عنھم۔
[2] ترمذی: کتاب الاحکام۔ باب جاء فی امام الرعیة۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بند کر لیتا ہے۔ (یہ سن کر امیر معاویہؓ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مامور کر دیا۔

حضورؐ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر صاحب امر ضرورت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام نہ کرے گا تو اللہ کی سخت ناراضگی مول لے گا۔ یہ وعید اس بات کے لیے کافی ہے کہ تکمیل ضروریات کو اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دیا جائے۔ اسلامی حکومت کی اس ذمہ داری کی اہمیت کا اندازہ خلافت کی اس تعریف سے بھی کیا جاسکتا ہے جو حضرت سلمان رضؓ فارسیؓ نے کی ہے جسے سن کر کعب احبارؓ نے ان کی تصویب فرمائی ہے:

عن سلمان قال - ان الخليفة هو الّذی يقضی بكتاب الله ويشفق علی الرّعية شفقة الرجل علی اهله - فقال كعب الاحبار - صدق [۱]

ترجمہ: سلمانؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے یہ سن کر کعب بن احبار نے کہا: سچ کہا۔

رعایا کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا اہتمام دراصل اس خیر خواہی کے اندر شامل ہے جو صاحبِ امر پر لازم قرار دی گئی ہے جو حکمران رعایا کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتے اس کا اخروی انجام بُرا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ما من عبدٍ يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحةٍ لم يجد رائحة الجنّة [۲]

ترجمہ: جس بندہ کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔

---

[۱] ابو عبید: کتاب الاموال ص۱۶

[۲] بخاری: کتاب الاحکام - باب من استرعی رعیة فلم ینصح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت نے اسلامی ریاست کو اپنے تمام شہریوں کا ولی قرار دیا ہے۔ سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ لہٗ [1]

جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔

السلطان ولیّ من لا ولیّ لہ [2]

جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔

یہ سرپرستی صرف نکاح کے معاملہ تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضروریات کی تکمیل بدرجہ اولیٰ شامل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط سے صاف ظاہر ہے جو آپ نے ایک نومسلم قبیلہ کے سردار زرعہ بن ذی یزن کے نام لکھا تھا۔ آپ سردار کے توسط سے اس کے قبیلہ حمیر کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"وانیّ امرکم یا حمیر خیراً فلا تخونوا ولا تحادوا وان رسول اللہ مولیٰ غنیکم وفقیرکم وان الصدقۃ لاتحل لمحمد ولا لاھلہ۔ انمّا ھی زکوٰۃ تزکون بھا الفقراء المومنین [3]

"اہل حمیر میں تم کو بھلی روش اختیار کیے رہنے کی تلقین کرتا ہوں نہ خیانت کرنا اور نہ مخالفانہ روش اختیار کرنا اللہ کا رسول تمہارے مال دار اور غریب تمام لوگوں کا سرپرست ہے۔ صدقہ کا مال محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اس کے گھروالوں

---

[1] ترمذی: ابواب الفرائض۔ باب ما جاء فی میراث المال

[2] ترمذی: ابواب النکاح۔ باب ما جاء لانکاح الابولیّ

[3] ابوعبید: کتاب الاموال ص۲۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ یہ زکوٰۃ ہے جسے تم اپنی پاکیزگی کے لیے غریب مسلمانوں کے لیے نکالتے ہو۔"

اس سرپرستی میں بنیادی ضروریات کے علاوہ بشرطِ گنجائش افراد کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہو جاتی ہے۔ فتوحات کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پا جائیں ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔ فرمایا:

انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم فمن توفیٰ وعلیہ دینٌ فعلیّ قضاءُہ[1]

مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے پس جو مقروض وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔

فلما فتح اللہ علیہ الفتوح قال: انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم فمن توفیٰ من المؤمنین فترک دینًا فعلیّ قضاءُہ ومن ترک مالاً فلورثتہ[2]

پھر جب اللہ نے آپؐ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپؐ نے فرمایا "مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے لہٰذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے قرض کے علاوہ مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دوسری ذمہ داریوں مثلاً بے سہارا اہل و اولاد کی کفالت کے سلسلہ میں بھی یہی اعلان فرمایا تھا:

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابوعبید: کتاب الاموال ص ۲۲۰

[2] بخاری: کتاب النفقات۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلاً او ضیاعًا فالیّ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من ترك مالاً فلاهله ومن ترك ضياعًا فاِلیّ ۔ هٰذا حديث حسن صحيح ... ومعنٰی قوله ترك ضياعًا يعني ضائعًا ليس له شیٔ ۔ فاِلیّ ۔ يقول انا اعوله وانفق عليه[1]

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے گھر والوں کے لیے ہے اور جو (کسی کو) بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہوگی۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔ ... ترك ضياعًا کے معنی یہ ہیں کہ اس حال میں چھوڑ جائے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو فاِلیّ کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کی کفالت کروں گا اور مال خرچ کروں گا اسی مفہوم کی ایک حدیث ابوعبید نے حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے روایت کی ہے جس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك مالاً فلورثته ومن ترك كلاً فالى الله ۔ وربما قال فالى الله ورسوله ۔ قال ابو عبيد: الكلّ عندنا كلّ عيلٍ والذرّية منهم[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو متوفی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے اور جو ذمہ داریاں چھوڑ کر مرے وہ اللہ کے ذمہ ہیں اور کبھی یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمّہ ہیں۔

ابوعبید کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک "کل" میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن

---

[1] ترمذی: ابواب الفرائض ۔ باب ما جاء من ترك مالاً فلورثته

[2] ابوعبید: کتاب الاموال ص ۲۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کفالت متوفی کے ذمّہ ہو اور بچے بھی اس میں شامل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے انہیں اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس حقیقت پر خلافتِ راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ذمہ داریاں گناتے ہوئے ایک عام خطبہ میں یہ فرمایا تھا:

ایھا الناس ان اللہ قد کلّفنی ان اصرف عنہ الدعاء[1]

لوگو اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکوں۔

اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے مشہور شافعی فقیہ ابو محمد عزالدین عبد العزیز بن عبد السلام لکھتے ہیں:

"اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ امام ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ پڑنے دے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات اور حاجتیں پوری کرے تاکہ اُن کو اس کی ضرورت باقی نہ رہے کہ رب العالمین سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں (حکمرانوں پر) مسلمانوں کے جملہ حقوق کے بیان میں یہ جُملہ کتنا جامع اور واضح ہے"[2]

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا امیر المؤمنین کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس خطبہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت عمرؓ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔

انی حریصٌ علیٰ ان لا اریٰ حاجۃً الا سددتھا ما اتسع

---

[1] ابو محمد عزالدین عبد العزیز بن عبد السلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام جلد ۱ ص ۱۴۸

[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعضنا لبعضٍ فاذا عجز ذٰلك عنّا تأسّينا فی عیشنا حتّٰی نستوی فی الکفاف - ولو ددت انّکم علمتم من نفسی مثل الذی وقع فیها لکم ولست معلّمکم الا بالعمل. انی واللہ لستُ بملكٍ فاستعبدکم ولٰکنّی عبد اللہ عرض علیّ الامانة فان ابیتها ورددتها علیکم واتبعتکم حتّٰی تشبعوا فی بیوتکم وترووا سعدت بکم وان انا حملتها واستتبعتکم الیٰ بیتی شقیت بکم ففرحت قلیلاً وحزنت طویلاً - فبقیت لا اُقال ولا اُردّ فاستعتِب [1]

مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے - کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے لیکن میں یہ بات تمھیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں - خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (حکمرانی کی یہ) امانت میرے سپرد کی گئی ہے - اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری چیز سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کر دوں اور (تمہاری خدمت کے لیے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعہ فلاح پاؤں گا اور اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے) اپنے گھر آنے پر مجبور کروں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا (دنیا میں) کچھ عرصہ میں خوشی منا لوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک

---

[1] ابن کثیر : البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہوگا نہ کوئی بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں "۔ غمگیں رہوں گا۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی حکمران نے اسلامی ہدایات کو اپنا رہنما بنایا اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا تو کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کی گراں باری محسوس کر کے غم کے آنسوؤں کے دریا بہا دیئیے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو اس ذمہ داری کا بوجھ محسوس کر کے رونے لگے۔

قالت فاطمة امرأته: دخلت عليه وهو فى مصلّاه ودموعه تجرى على لحيته فقلت أحدث شىء؟ فقال انى تقلّدت امر امة محمّد فتفكرّت فى الفقير الجائع والمريض الضّائع، والغازى والمظلوم المقهور والغريب الاسير والشيخ الكبير وذى العيال الكثير والمال القليل واشباههم فى اقطار الارض فعلمت انّ ربّى سيسأَلنى عنهم يوم القيٰمة وانّ خصمى دونهم محمّد صلى الله عليه وسلم الى الله فخشيت ان لا تثبت حجّتى عند الخصومة فرحمت نفسى فبكيت [1]

ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار آپ کے پاس گئی آپ جائے نماز پر تھے اور آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر تھی۔ میں نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے آپ نے فرمایا میں نے پوری امت محمدیہ کی ذمہ داری لی ہے لہٰذا میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ

---

[1] ابن الاثیر: تاریخ الکامل جلد ۵ ص ۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں مگر مالدار نہیں ہیں اور مختلف علاقوں کے
لینے والے اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا مجھے احساس
ہوا کہ عنقریب قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا
اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔
مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات نہ ثابت ہو سکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا
کر رونے لگا"۔

نہ صرف آپ کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا بلکہ آپ نے واضح طور پر
اعلان کر دیا تھا کہ:

وما احدٌ منکم تبلغنی حاجتہ الّا حرصت ان اسدّ من
حاجتہ ما قدرت علیہ[۱]

"تم میں سے جس کسی کی بھی کسی ضرورت کا علم مجھے ہوگا اس کی ضرورت پوری کرنے
میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا"۔

یہی اعلان آپ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ بھی کر چکے تھے۔ فرمایا:

ومن اراد ان یسٔال عن المال فلیاتنی فانّ اللہ جعلنی خازناً
وقاسماً[۲]

"اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے (اپنے مال کا)
خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا ہے"۔

کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کے بارے میں حضرت عمرؓ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر
تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر دار الاسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مر گیا
تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

---

[۱] ابن جوزی: سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۶۲

[۲] ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب ص۱۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لو مات جمل ضیاعًا علیٰ شط الفرات لخشیت ان یسألنی اللہ عنہ [1]

اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔

لو ماتت شاۃ علیٰ شط الفرات ضائعۃ لظننت ان اللہ سائلی عنہا یوم القیٰمۃ [2]

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔

وکان یقول : لو ترکت عنز جرباء الی جانب ساقیۃ لم تدھن لخشیت ان اُسأل عنہا یوم القیٰمۃ [3]

اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نہر کے کنارے کوئی خارشی بکری اس حالت میں چھوڑ دی جائے کہ اُسے (علاج کے طور پر) تیل کی مالش نہ کی جا سکے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔

آپ اپنے ماتحت حکام کو بھی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ بصرہ کے والی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جب ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ :

اَلَا وَ اَوسعوا النّاس فی بیوتھم واطعموا عیالھم [4]

---

[1] محمد ابن سعد : الطبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۰۵

[2] ابن جوزی : سیرۃ عمر بن الخطاب صفحہ ۱۶۱

[3] امام غزالی : التبر المسبوک صفحہ ۱۷

[4] طرطوشی : سراج الملوک صفحہ ۱۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنو! لوگوں کے گھروں میں ان کے لیے فراخی کا سامان فراہم کرو اور ان کے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو عیسائی تھے معاہدہ کیا تو اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی:

وجعلت لهم ايّما شيخ ضعف عن العمل واصابته آفة من الآفات اوكان غنيًا فافتقر وصار اهل دينه يتصدّقون عليه طرحت جزيته وعُيّل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام[1]

میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آپڑے یا جو آدمی پہلے مالدار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں اسکا جزیہ ساقط کر دیا جائے گا اور جب تک وہ دارالہجرت اور دارالاسلام میں مقیم رہے گا۔ اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

اُوپر جو احادیث و آثار بیان کیے گئے ہیں ان کا تعلق بنیادی ضروریات سے ہے۔ اگرچہ بعض احادیث میں ادائے قرض کا بھی تذکرہ ہے اور سرپرستی کی احادیث کا تعلق ہر طرح کی بنیادی ضروریات سے ہے۔ بعض دوسرے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کے علاوہ دوسری ضروریات کی تکمیل کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

ان دوسری ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت عام تعلیم کی ہے۔ اسلامی حکومت اپنے شہریوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانے کا بھی اہتمام کرتی تھی۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ لوگ لکھنا اور پڑھنا سیکھیں آپؐ ہی کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ نے

---

[1] ابویوسف: کتاب الخراج ص ۱۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہود کی زبان سیکھی تھی ۔ بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے ۔ صفہ کی اسلامی درسگاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا بھی سیکھتے تھے متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیہات کے علاقوں میں عوام کو اسلامی آداب زندگی سکھانے کے لیے مدینہ سے اپنے کسی صحابی کو بھیجتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے بچوں کی تعلیم کے لیے معلم مقرر کیے تھے ۔

عن الوضیف بن عطاء قال ثلاثة کانوا بالمدینة یعلمون الصّبیان وکان عمر بن الخطاب یرزق کل واحدٍ منهم خمسة عشر درهمًا کل شهر[1]

ترجمہ : وضیف بن عطار سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مدینہ میں تین آدمی تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور عمر بن الخطاب ان میں سے ہر ایک کو پندرہ درہم ماہانہ دیا کرتے تھے ۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ آپ کو ان لوگوں کی فہرست بھیجی جائے جن کو قرآن کریم حفظ ہے تاکہ ان کو اونچے وظیفے دے کر مختلف علاقوں میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے پر مامور کر دیا جائے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کے لیے باتنخواہ معلم مقرر کیے تھے ۔ آپ نے طالب علموں کے لیے اور ایسے افراد کے لیے جو اپنے علمی مشاغل کے سبب کسبِ معاش سے قاصر تھے وظائف بھی مقرر کیے تھے ۔

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کی طرف سے علم سکھانے کا اہتمام کیا گیا تھا بلکہ معذور افراد کو خادم بھی فراہم کیے جاتے تھے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شام میں نابینا افراد یا دوسرے مرض کے سبب معذور افراد اور بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کے لیے سرکاری طور پر خادم فراہم کیے تھے ۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں شدید قحط پیش آیا تو

---

[1] کنز العمال جلد ۲ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے سرکاری طور پہ کھانا پکوا کر تمام ضرورت مند لوگوں کو کھلانے کا اہتمام کیا تھا۔ انہی دنوں ایک واقعہ یہ پیش آیا:

كان عمر بن الخطّاب يطعم الناس بالمدينة وهو يطوف عليهم بيده عصًا۔ فمرّ برجلٍ يأكل بشماله۔ فقال. يا عبدالله كُلْ بيمينك قال يا عبدالله انّها مشغولة قال فمضٰى ثم مرّبه وهو يأكل بشماله فقال يا عبد الله كل بيمينك قال يا عبد الله انّها مشغولة۔ ثلاث مرّاتٍ۔ قال وما شغلها؟ قال اصيبت يوم موتة۔ قال فجلس عمر عنده يبكى۔ فجعل يقول من يوضئك؟ من يغسل رأسك وثيابك؟ من تضع كذا وكذا؟ فدعا له بخادم وامر له براحلة وطعام وما يصلحه وما ينبغى له حتىٰ رفع اصحاب محمّد صلى الله عليه وسلّم اصواتهم يدعون الله لعمر ممّا راو رقّته بالرّجل واهتمامه بامر المسلمين[1]

ترجمہ: عمر بن الخطابؓ مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے آپ ہاتھ میں لاٹھی لیے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے اسی دوران آپ کا گذر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا آپ نے اس سے کہا بندہ خدا دائیں ہاتھ سے کھا، اس نے جواب دیا بندہ خدا، وہ مشغول ہے آپ آگے بڑھ گئے۔ دوبارہ وہاں سے گزرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پھر کہا بندہ خدا دائیں ہاتھ سے کھا اس نے کہا بندہ خدا وہ مشغول ہے۔ اس نے تین بار یہی

---

[1] امام محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الآثار۔ باب فضائل الصحابہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب دیا۔

آپ نے پوچھا کہ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا (کہ داہنا ہاتھ) موتہ کی لڑائی میں کام آگیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر عمر اس کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ کپڑے کون دھوتا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لیے ایک ملازم منگوایا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ کا انتہائی مشفقانہ سلوک اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے حضرت عمرؓ کا یہ اہتمام دیکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بلند آواز سے عمرؓ کے لیے اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔

غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی جن بنیادی ضروریات کی تکمیل کو ہم نے اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دیا ہے ان کے سلسلہ میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کی وہ کم سے کم مقداریں کیا ہیں جن کی فراہمی اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ضروری سمجھی جائے گی۔ اس کا اصولی جواب یہ ہے کہ غذا، لباس اور مکان کی ضرورتیں کم سے کم اس حد تک پوری کی جانی چاہئیں کہ بھوک پیاس، سردی یا گرمی کی شدت اور بارش وغیرہ کے نتیجہ میں فرد کی جان جانے کا اندیشہ نہ باقی رہے اور اس کے اندر اتنی طاقت بحال رہے کہ وہ کسب معاش کی جدوجہد کر سکے۔ اس اصولی بات سے آگے بڑھ کر اشیاء کی کیفیت یا کمیت کے بارے میں کوئی صراحت کرنا دشوار ہے ان کی تعیین احوال و ظروف پر مبنی ہوگی۔ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے ایسا انتظام کیا جانا چاہیے کہ محروم افراد کی ملک کی عام معاشی سطح کے مطابق ضروری طبی خدمات اور دوائیں مفت حاصل کر سکیں تعلیم کم از کم اتنی ہونی چاہیے کہ ہر فرد لکھنا اور پڑھنا سیکھ لے۔ قرآن کریم کا ناظرہ پڑھنا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت، جاہلیت اور اسلام کے درمیان تمیز کی صلاحیت عبادت کے طریقوں اور عام معاملات زندگی میں اسلامی حدود سے آگاہی ابتدائی اسلامی تعلیم کے لازمی معیار میں شامل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی تعمیر و ترقی

کفالتِ عامہ کی طرح ملک کی معاشی تعمیر و ترقی بھی ایک اجتماعی فریضہ ہے اگر کفالتِ عامہ سے افراد کی ضروریات کی تکمیل اور قیامِ حیات وابستہ ہے تو معاشی تعمیر و ترقی سے پورے اجتماع کا قیام و بقاء اس کی قوت کا استحکام اور اس کے جملہ بنیادی مصالح وابستہ ہیں جن کا تحفظ ریاست کو وجود میں لانے کا ایک اہم سبب ہے یہ ذمہ داری اگرچہ افراد پر ان کی انفرادی حیثیتوں میں بھی عائد ہوتی ہے لیکن اجتماع کے نمائندہ صاحبِ اقتدار ادارہ ریاست پر اس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔

کسی ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ آج کل دفاعی قوت براہ راست صنعتی ترقی سے وابستہ ہے محفوظ دفاعی پالیسی کا ایک مسلّمہ اصول یہ ہے کہ ملک اہم دفاعی سامانوں کے لیے دوسرے ممالک بالخصوص کسی دوسرے تہذیبی بلاک سے تعلق رکھنے والے ممالک کا محتاج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جدید آلاتِ حرب اور دفاعی سامان کسی ملک میں اُسی وقت تیار کئے جا سکتے ہیں جب وہ صنعتی ترقی کے ایک اونچے معیار پر پہنچ چکا ہو۔ یہ بات محتاجِ دلیل نہیں کہ قرآن و سُنت میں دارالاسلام کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زور دیا گیا ہے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ [1]

اور اُن (دشمنوں) کے لیے جتنی قوّت تم سے ممکن ہو سکے فراہم کر رکھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کی مختلف فوجی تیاریوں، تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی مشق اور اسلحہ اور گھوڑے فراہم کر رکھنے پر صحابہ کرام کو برابر ابھارتے رہتے تھے۔ آج کی فوجی تیاریاں اور قوت کے ذرائع مختلف ہیں۔ آج اسی حکم اور انہی ارشاداتِ نبوی کا

---

[1] سورۃ انفال: ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منشا یہ ہے کہ زمانے کے معیار کے مطابق فوجی تیاریاں کی جائیں اور دفاعی قوت پیدا کی جائے چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی اور فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کے فروغ کے بغیر نہیں حاصل کیا جا سکتا اس لیے ان چیزوں کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے جس کی تصریح حسب ذیل ہے۔

اتّفق اصحابنا والمعتزلة علی ان ما لا یتمّ الواجب الا به وهو مقدورٌ للمكلّف فهو واجبٌ له

ترجمہ: ہمارے رفقاء اور معتزلہ سب اس اصول پر متفق ہیں کہ جس چیز کے بغیر واجب کی پوری تعمیل ممکن نہ ہو اور وہ چیز مکلّف کے بس میں ہو تو وہ چیز واجب ہے۔

معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام فقر و فاقہ کے انسداد اور کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ قومی پیداوار میں اضافہ کی مؤثر تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو صرف موجودہ دولت کی از سرِ نو تقسیم کے ذریعے ملک کے ہر فرد کو ایک معقول معیار زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اس نکتہ پر غور کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ آج مسلمان ممالک جن میں اسلامی حکومت کے قیام کا امکان ہے۔ معاشی طور پر پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ہیں ان کی قومی پیداوار کی موجودہ سطح ان کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کے لیے ناکافی ہے اور وہ صرف یہ طریقہ اختیار کر کے کفالتِ عامہ کی ذمہ داری نہیں ادا کر سکتے کہ مالدار لوگوں سے ان کی دولت کا ایک حصّہ لے کر اہلِ حاجت کے درمیان تقسیم کر دیں۔

دورِ جدید میں ایک اسلامی حکومت اپنی تہذیبی انفرادیت کو بھی اسی وقت برقرار رکھ سکتی ہے جب وہ صنعتی طور پر غیر مسلم دنیا سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جائے اور کم از کم ضروری سامانِ زندگی کے لیے ان ممالک کی محتاج نہ ہو۔ جو ممالک صنعتی طور پر دوسرے

لہ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۱ ص۱۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکوں پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں وہ تہذیبی طور پر بھی اُن کا اثر قبول کرنے لگتے ہیں۔ آج اسلامی ممالک کی صنعتی پسماندگی اور مغرب کی محتاجی ان پر مغربی تہذیب کے اثر اور مغربی غلبہ واستیلاء کا ایک اہم سبب ہے۔

قرنِ اول کی اسلامی ریاست نے موقع پڑنے پر غیر مسلم دنیا کی تالیفِ قلب کے لیے اس کو مالی اور مادی امداد بھی دی ہے کیونکہ تالیفِ قلب اسلام کے داعیانہ پروگرام کا ایک مستقل جزو ہے اس طرح کے متعدد انفرادی عطیوں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے پہلے اہل مکہ کو قحط کے زمانے میں نقد اور ضروری اجناس بھیج کر مدد کی تھی۔ آج جب کہ تہذیبی کشمکش اور نظریاتی جنگ میں بیرونی امداد اور بین الاقوامی معاشی تعاون کو ایک اہم مقام حاصل ہو چکا ہے ایک اسلامی حکومت کے پاس اتنے وسائل ہونے چاہییں کہ وہ اپنی دعوت کے لیے راہ ہموار کرنے کی خاطر ان ذرائع کو استعمال کر سکے یہ اسی وقت ممکن ہے جب دار الاسلام معاشی طور پر ترقی یافتہ ہو۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام کرے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضورؐ نے صاحبِ امر کو مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے اس خیر خواہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ریاست ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لیے مناسب اقدام کرے۔

قرآن مجید کی سورت ہود آیت ۶۱ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا کی تفسیر میں جلیل القدر حنفی امام علامہ ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے[۱]:

> وفیہ الدلالۃ علی وجوب العمارۃ للزراعۃ والغراس والابنیۃ
>
> یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کا آباد کرنا، کھیتی، باغبانی اور تعمیر کے ذریعے سے واجب ہے۔

---

[۱] جصّاص: احکام القرآن جلد ۳ ص۱۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ایک حدیث قدسی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی کا اہتمام اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر منقول ہے جس میں وہ اپنے پروردگار عزّوجل کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

عمّروا بلادی فعاش فیھا عبادی[1]

(انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو اس میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی۔

اسی بنا پر اسلامی مفکرین نے ملک کی خوشحالی کے اہتمام کو اسلامی حکومت کے سربراہ کی ذمہ داری قرار دیا ہے ماوردی نے امام کے فرائض گناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

والّذی یلزم سلطان الامّۃ سبعۃ اشیاء .... والثالث عمارۃ البلدان باعتماد مصالحھا وتھذیب سبلھا ومسالکھا[2]

ترجمہ: امت کے حکمران پر سات ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں .... ان میں سے تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ ممالک کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنا کر ان ممالک کو آباد رکھے۔

امام ماوردی نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ملک کو آباد و خوشحال رکھنے کی قدر و قیمت کیا تھی۔

قال ابوھریرۃ سُبّت العجم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فنھی عن ذالک وقال لاتسبّوھا فانھا عمّرت بلاد اللہ تعالیٰ فعاش فیھا عباد اللہ تعالیٰ[3]

ابوہریرہؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل عجم کو بُرا کہا گیا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا ان کو بُرا نہ کہو کیونکہ ان لوگوں

---

[1] سرخسی: المبسوط جلد ۲۳ ص۱۵

[2] الماوردی: ادب الدین والدنیا ص۸۲

[3] بخاری: الادب المفرد ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اللہ کے ملکوں کو آباد اور خوشحال بنایا تو ان میں اللہ کے بندوں نے زندگی گذاری۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم رعایا کی خوشحالی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی فرماتے تھے:

عن جابرؓ انّہ سمع النبّی صلی اللہ عیہ وسلّم علی المنبر نظر نحو الیمن فقال اللّٰھُمّ اقبل بقلوبھم۔ ونظر نحو العراق فقال مثل ذالک ونظر نحو کل افق فقال مثل ذالک وقال اللّٰھُمّ ارزقنا من تراث الارض وبارک لنا فی مدّنا وصاعنا[1]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ آپ نے یمن کی طرف نظر اُٹھائی اور فرمایا یا اللہ ان کے دل (اسلام کی طرف) مائل کر دے۔ آپ نے عراق کی طرف دیکھا اور یہی فرمایا پھر آپ نے ہر چہار طرف دیکھا اور یہی جملہ دہرایا اور فرمایا اے اللہ ہمیں زمین کی وراثت عطا فرما اور ہمارے مُدّ اور صاع میں برکت دے۔

عن ابی ھریرۃ انّہٗ قال: کان النّاس اذا راؤا اول الثمّر جاء وا بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا اخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھمّ بارک لنا فی ثمرنا وبارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی مُدّنا اللّٰھمّ ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک وانّی عبدک ونبیک وانہٗ دعاک لمکّۃ وانّی ادعوک للمدینۃ بمثل مادعاک بہ لمکّۃ ومثلہ معہ ثمّ یدعو اصغر ولیدٍ یراہ فیعطیہ ذالک الثمّر[2]

---

[1] بخاری: الادب المفرد ص۔ مُدّ اور صاع غلہ اور کھجور وغیرہ ناپنے کے پیمانے ہیں۔
[2] مؤطا امام مالک: کتاب الجامع۔ باب الدعاء للمدینۃ واھلھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا لوگ جب درختوں پر پہلے پہل پھل آتے دیکھتے تو ان پھلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے تھے جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت دے ہمارے شہر (مدینہ) میں برکت دے اور ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے مُد میں برکت دے۔ اے اللہ ابراہیم تیرے بندے اور دوست اور نبی ہیں اور انھوں نے تجھ سے مکہ کے بارے میں دُعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے وہی دعا کرتا ہوں جو انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے کی تھی اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور (مانگتا ہوں) پھر آپ اس سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے جس پر آپ کی نگاہ پڑتی اور اسے وہ پھل دے دیتے۔"

اسلامی حکومت دنیاوی اغراض کے لیے جنگ نہیں کرتی لیکن اگر دین کی راہ میں جہاد کرنا پڑے تو اس سے مسلمانوں کو معاشی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے جو دُعا کی تھی اُس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی معاشی فلاح مطلوب تھی اور اس کے لیے آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی فرماتے تھے:

عن عبد اللہ بن عمرو انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوم بدرٍ فی ثلاث مائۃ وخمسۃ عشر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم. اللّٰھمّ انّھم حفاۃٌ فاحملھم. اللّٰھمّ انّھم عراۃٌ فاکسھم. اللّٰھمّ انّھم جیاعٌ فاشبعھم. ففتح اللہ یوم بدرٍ فانقلبوا حین انقلبوا وما منھم رجلٌ الّا وقد رجع بجملٍ او جملین واکتسوا وشبعوا[1]

---

[1] ابوداؤد: کتاب الجہاد۔ باب فی النفل للسریۃ تخرج مع العسکر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے موقع پر تین سو پندرہ مجاہدین کے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "اے اللہ یہ لوگ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا کر، اے اللہ یہ لوگ ننگے ہیں ان کو کپڑے پہنا اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں ان کے پیٹ بھر دے" چنانچہ اللہ نے بدر کی جنگ میں فتح عطا کی اور جب یہ لوگ واپس لوٹے تو ہر آدمی اپنے ساتھ ایک یا دو اونٹ لے کر لوٹا اور ان کو پہننے کے لیے کپڑے مل گئے اور یہ شکم سیر ہو گئے۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں جہاد پر جانے والے مسلمانوں سے یہ فرمایا تھا کہ:

استقبلوا جهاد قومٍ قد حَوَوْا من فنون العيش ۔ لعل اللّٰه ان يورثكم بقسطكم من ذالك فتعيشوا مع من عاش من النّاس [1]

ترجمہ: "جاؤ ایک ایسی قوم سے جہاد کے لیے جو امورِ معاش پر حاوی اور ترقی یافتہ ہے۔ توقع ہے کہ اللہ تمہیں اس میں سے تمہارا حصّہ عطا کرے گا اور تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ (خوشحال) زندگی گزار سکو گے۔"

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ملک کو خوشحال رکھنے اور ترقی دینے کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے۔ تجارت کے فروغ کے لیے سڑکوں اور پُلوں کی تعمیر اور بہتر ذرائع نقل و حمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں متعدد نہریں کھدوائیں۔ نہروں کی تعمیر کے علاوہ حسبِ ضرورت سیلاب کی روک تھام کے لیے بند بھی تعمیر کرائے۔ ریاست کے زیرِ اہتمام متعدد بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ قرنِ اوّل

---

[1] طبری: ص ۲۱۸۸ (حوادث ۱۳ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی معیشت زراعت اور تجارت پر مبنی تھی ایک زرعی اور تجارتی معیشت کے لیے نہروں کی تعمیر، سیلاب کی روک تھام، سڑکوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرکزی شہروں کی آبادکاری معاشی تعمیر و ترقی کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔

حضرت عمرؓ مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا سمجھتے تھے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ مال دیا جائے اور انہیں مشورہ دیتے تھے کہ جو مال فوری ضروریات سے فاضل ہو اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ وہ آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے۔ صاحبِ فتوح البلدان نے آپؓ کے طرزِ عمل کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

انّما هو حقّهم وانا اسعد بادائه اليهم۔ لو كان من مال الخطاب ما اعطيتموه ولكن قد علمتُ انّ فيه فضلاً۔ فلو انه اذا اخرج عطاء احدٍ هؤلاء ابتاع منه غنمًا فجعلها بسوادهم فاذا خرج عطاء ثانيةٍ ابتاع الرّاس والرأسين فجعله فيها فان بقى احدٌ من ولده كان لهم شيءٌ قد اعتقدوه فانّى لا ادرى مايكون بعدى۔ وانّى لاعمّ نصيحتى من طوّقنى الله بامره فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من مات غاشًّا لرعيته لم يجد رائحة الجنّة [1]

ترجمہ: یہ ان کا حق ہے میں اسے انہیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں اگر یہ (میرے باپ) خطاب کا مال ہوتا تو تمہیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مال ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں سے کچھ بھیڑ بکریاں خرید کر اپنے علاقے میں چھوڑ دے پھر جب دوسرے سال کا وظیفہ ملے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی (علاقہ) میں (کام پہ) لگا دے اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا تو اطرح

---

[1] بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے لیے ایک قابل اعتماد سہارا فراہم ہو جائے گا۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا میں تو ان لوگوں کے ساتھ پوری خیر خواہی برتتا ہوں جن کے امور کا اللہ نے مجھے نگران بنا دیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنی رعیت کے ساتھ بدخواہی اور خیانت کرتا ہوا مرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

دوسرے خلیفہ راشد کے ان آثار سے یہ بات واضح ہے کہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر معاشی ترقی کے لیے اقدام مفید اور مطلوب ہے اسلامی ریاست کو ایسے اقدامات کی نہ صرف ہمت افزائی کرنی چاہیے بلکہ ان پر ابھارنا چاہیے مزید یہ کہ حضورؐ نے مسلمان حکمرانوں کو عامۃ المسلمین کے ساتھ جس خیر خواہی کی تاکید کی ہے اس کا تصور کتنا وسیع ہے اگر صاحب امر رعایا کی مادی فلاح و بہبود کے اہتمام میں کوئی کسر اٹھا رکھے تو عمر فاروقؓ کے نزدیک یہ بھی خیانت ہوگی اور ایسا کرنے والا حکمران آخرت میں جنت سے محرومی کا خطرہ مول لے گا۔

خلفاء راشدین مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے اور جب انھیں یہ خبر ملتی تھی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کو بھی رعایا کی خوشحالی سے بڑی دلچسپی تھی۔ دور دراز سے ڈاک لے کر آنے والوں سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا تم نے لوگوں کو شادی کی محفلیں اور دعوتیں منعقد کرتے دیکھا ہے جس سے آپ کا مطلب ان کی خوشحالی کا اندازہ کرنا ہوتا ہے۔

دورِ جدید کے حالات میں اس رجحان کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت کو ملک کے قدرتی وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی کی تمام ممکن تدابیر اختیار کرنی چاہیں۔ افراد کو ترقیاتی کاموں کی ترغیب دینے اور اس سلسلہ میں نجی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے علاوہ ریاست کو اس کام میں براہِ راست بھی حصہ لینا چاہیے۔ ذرائع نقل و حمل کی توسیع زراعت کی ترقی کے لیے موزوں اقدامات، معدنی وسائل کو ترقی دے کر کام میں لانا، دریاؤں کے پانی سے بجلی کی طاقت حاصل کرنا اور آبپاشی کے لیے نہریں تعمیر کرنا اور صنعتی ترقی کے لیے مثبت قدم اٹھانا دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کے پروگرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اسی طرح شامل ہونا چاہیے جس طرح ابتدائی اسلامی ریاستوں کے پروگرام میں زرعی ترقی کا اہتمام شامل تھا۔

تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانیوالے تفاوت کو کم کرنا

قرآن و حدیث اور خلافت راشدہ کے نظائر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں تقسیم دولت کے اندر جو تفاوت پایا جاتا ہو وہ کم ہو اور دولت کسی ایک طبقہ کے اندر جمع ہو کر نہ رہ جائے۔ اسی لیے اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی تھی کہ دولت مند افراد کے مال میں محروم اور ضرورت سے مجبور ہو کر سوال کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔ قرآن مجید کا پیغام یہ ہے:

وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [1]

اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔

پھر مدنی دور میں جب یہودی قبیلہ بنو نضیر کو ان کی بدعہدی اور اسلام دشمنی کی بنا پر جلاوطن کیا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ حکم دیا کہ یہ اموال ضرورت مندوں کے لیے ہیں اس کی مصلحت یہ تھی کہ سماج کے اندر مال و دولت اہل ثروت کے درمیان مرکوز نہ ہو۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ [2]

ترجمہ: ان آبادیوں کے جن اموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ، اس کے رسول، اور رسول کے قرابت داروں نیز یتامیٰ، مساکین اور مسافروں

---

[1] سورۃ الذٰریٰت۔ ۱۹

[2] سورۃ الحشر۔ ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے مخصوص ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت تمہارے صاحبِ ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہ جائے"۔

یہ آیت مبارکہ قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ مال و دولت کو دولت مندوں کے درمیان گردش کرتے رہ جانے سے روکنا اسلامی پالیسی کا اہم مقصد ہے۔

حضورؐ کے دورِ مبارکہ میں تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا مقصد اسلامی ریاست نے تین طریقوں سے حاصل کیا۔ زکوٰۃ و عُشر کے ذریعے دولت مندوں کے مال کا ایک حصّہ غریبوں کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔ فئے کے مال کو غریبوں کے درمیان بانٹا گیا اور صاحبِ ثروت لوگوں کو ترغیب و تلقین کے ذریعے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اہلِ حاجت افراد کی مالی اعانت کریں۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور فئے کا مال آیا تو آپ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا اور چھوٹے بڑے، آزاد غلام، مرد اور عورت سب کو برابر حصّہ دیا۔ جب کہ بعض لوگوں نے آپؓ سے یہ کہا کہ خدمتِ اسلام اور اسلام لانے میں سبقت کی بنا پر بعض افراد کو بعض سے زیادہ حصّہ دینا چاہیے تو آپ نے یہ جواب دیا۔

اما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذلك وانما ذالك شیءٌ ثوابه علی الله جلّ ثنائهٗ وهذا معاشٌ فالاسوة فیه خیرٌ من الاُثرة[1]

ترجمہ: تم نے جو سابقیت، اولیّت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جلّ شانہ کے ذمہ ہے مگر یہ معاملہ معاش کا ہے اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان ابا بکرٍ کُلّم فی ان یُفضِّل بین النّاس فی القسم فقال فضائلھم عند اللہ فامّا ھذا المعاش فالتسویۃ فیہ خیرٌ [۱]

ترجمہ: ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ وہ (فئ) کی تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپ نے فرمایا۔ ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہوگا جہاں تک اس معاشی زندگی کا سوال ہے اس میں برابر سلوک کرنا بہتر ہے۔

خلیفہ اول کا یہ ارشاد اگرچہ فئ کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن آخری جملہ میں آپ نے ایک اصولی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا رُجحان اخذ کیا جاسکتا ہے یعنی وسائل معاش کی تقسیم میں تفاوت کے بجائے مساوات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کے باقی دو طریقے جو عہد نبوی میں اختیار کئے گئے تھے عہد صدیقی میں بھی نافذ رہے۔ جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ریاست نے ان کے خلاف فوجی کاروائی کرکے ان کو اس حق کی ادائیگی پر مجبور کیا۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اس اصول کے مطابق عمل کی اہم ترین وہ پالیسی ہے جو عراق وشام کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کے فیصلہ کا باعث بنی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ بعض صحابہ کے اس مشورہ کی طرف مائل ہوگئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے بُرے نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیات فئ (سورۃ حشر ۶ تا ۱۰) کا ایسا فہم عطا کیا کہ آپ نے اس تجویز کو مُسترد کر دیا اور زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

قدم عمر الجابیۃ فاراد قسم الارض بین المسلمین فقال معاذ واللہ اذن لیکوننّ ما تکرہ۔ انکَ ان قسّمتھا صار الریع العظیم فی ایدی القوم، ثمّ یبیدون فیصیر ذالک الی الرّجل الواحد او المرأۃ۔ ثم یأتی من بعدھم قوم یسدّون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من الاسلام سدًّا وهم لا یجدون شیئًا۔ فانظر امرًا یسع اوّلهم و آخرهم۔

قال هشّام وحدّثنی الولید بن مسلم عن تمیم بن عطیة عن عبد اللہ بن ابی قیس او ابن قیس، انه سمع عمر یکلّم الناس فی قسم الارض۔ ثمّ ذکر قول معاذ ایاہ۔ قال فصار عمر الی قول معاذ[1]

ترجمہ: عمرؓ جابیہ آئے تو انہوں نے زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ معاذؓ نے آپ سے کہا خدا کی قسم پھر تو وہی ہوگا جو آپ کو ناپسند ہے اگر آپ نے ان زمینوں کو تقسیم کر دیا تو بڑے بڑے علاقے ان لوگوں کو مل جائیں گے پھر یہ مر جائیں گے تو یہ زمینیں (وراثت کے ذریعے) کسی ایک آدمی یا عورت کے ہاتھ میں آجائیں گی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگ آئیں گے جو اسلام کا دفاع کریں گے مگر ان کو کچھ نہ مل سکے گا۔ آپ غور و فکر کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کیجیے جو آج کے مسلمانوں کے لیے بھی موزوں ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی مفید ہو۔

(حدیث کے راوی) ہشام نے کہا مجھ سے ولید بن مسلم نے بروایت تمیم بن عطیہ بروایت عبداللہ بن ابی قیس یا ابن قیس حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے عمرؓ کو زمین کی تقسیم کے بارے میں لوگوں سے گفتگو کرتے سُنا۔ پھر راوی نے اس بات کا ذکر کیا جو معاذ نے عمرؓ سے کہی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر عمرؓ نے معاذ کی بات مان لی۔"

قاضی ابو یوسفؒ اس واقعہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایک قانونی کلیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج ص۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والذی رایٰ عمر رضی اللہ عنہ من الامتناع من قسمة الارضین بین من افتتحھا عند ما عرفہ اللہ ما کان فی کتابہ من بیان ذالك توفیقاً من اللہ کان لہ فیما صنع وفیہ کانت الخیرة لجمیع المسلمین وفیما راٰہ من جمع خراج وقسمة بین المسلمین عموم النفع لجماعتھم لان ھذا لولم یکن موقوفا علی الناس فی الاعطیات والارزاق لم تشحن الثغور ولم تقوا الجیوش علی السیر فی الجھاد ولما امن رجوع اھل الکفر الی مدنھم اذا خلت من المقاتلة والمرتزقة لہ

ترجمہ: حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی تائید میں قرآن حکیم سے دلائل پیش کئے یہ سب کچھ محض اللہ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور اللہ کی کتاب پر بصیرت حاصل ہونے کی بنا پر تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ جس حقیقت کو حضرت عمرؓ کی نگاہ نے پالیا تھا درصل اسی میں جماعتی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ لگان کی آمدنی کو ایک جگہ کر کے عام ضروریات پر خرچ کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر لگان کی آمدنی عام لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لیے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مال سے کی جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔"

فئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں ابتداً عمرؓ نے بھی مساوی تقسیم کی اسی پالیسی پر عمل

لہ ابویوسف: کتاب الخراج ص۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اختیار کی تھی لیکن جب عراق و شام کی فتح سے بہت سا مال خمس اور فئے کے طور پر حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں اور اسلام کی نمایاں خدمت انجام دینے والوں کو عام افراد سے زیادہ حصے دیے۔ جن افراد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں طرح طرح کے مصائب برداشت کئے تھے۔ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور مدینہ کے ابتدائی دور میں آپؐ کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جنگیں کی تھیں ان کو آپ نے بعد میں ایمان لانے والوں سے زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ تقسیم فئے میں مساوی سلوک کی جگہ ترجیحی سلوک کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں۔ ان کو ان لوگوں کے برابر حصے دیے جائیں جنہوں نے ابتدا ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کی تھی۔

قال : لا اجعل من قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل معہ [1]

ترجمہ "فرمایا۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں (تقسیم فئے میں) ان کے برابر نہیں کر سکتا جنہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی۔"

اس نئے طریق کار کے حق میں جو سیاسی، معاشرتی اور دینی دلائل دیے جا سکتے ہیں وہ واضح ہیں لیکن معاشی طور پر اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ سماج کے اندر تقسیم دولت میں مزید ناہمواری پیدا ہو۔ چنانچہ آٹھ سال تک اس پالیسی پر عمل کے بعد اپنے دور خلافت کے آخری سال میں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پھر تبدیل کی اور آئندہ تقسیم فئے میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

حدثنا عبد الرحمٰن بن مہدی عن ھشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیہ قال : سمعت عمرؓ یقول لئن عشتُ

---

[1] ابو یوسف : کتاب الخراج صہ ۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الیٰ ھٰذا العام المقبل لاُلحقنّ اٰخر النّاس باوّلھم حتیٰ یکونو ابباناً واحداً (قال عبد الرحمٰن ببّاناً واحداً شیئاً واحداً)[1]

ترجمہ: ہم سے عبد الرحمٰن بن مہدی نے انہوں نے ہشام بن سعد سے انھوں نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ اگر میں آئندہ سال اس موقع تک زندہ رہا تو (تقسیم فے میں) آخر کے لوگوں کو سرِ فہرست لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب مساوی ہو جائیں (عبد الرحمٰن نے کہا ہے: ببانا واحدا کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہی جیسے ہو جائیں۔

اسی مفہوم کو ابنِ سعد نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

سمعت عمر بن الخطّاب یقول: واللّٰہ لئن بقیت الیٰ ھٰذا العام المقبل لالحقنّ اٰخر النّاس باوّلھم ولاجعلنھم رجلاً واحداً[2]

ترجمہ "میں نے عمر بن الخطّاب کو یہ کہتے سُنا ہے کہ خدا کی قسم اگر میں اگلے سال اس موقع پر زندہ رہا تو (فے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو پہلے لوگوں سے ملا دوں گا اور ان سب کو ایک آدمی جیسا کر دوں گا"

عن زید بن اسلم عن ابیہ انّہ سمع عمر بن الخطّاب یقول: لئن بقیت الی الحول لالحقنّ اسفل النّاس باعلاھم[3]

ترجمہ: زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عمر بن

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال ص ۲۶۳-۲۶۴

[2] محمد ابنِ سعد: الطبقات الکبریٰ جلد ۳ ص ۳۰۱

[3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الخطاب کو یہ کہتے سُنا ہے کہ : اگر میں ایک سال اور زندہ رہا تو (فئے میں حصے کے اعتبار سے) سب سے نیچے کے لوگوں کو سب سے اوپر کے لوگوں کے مساوی کر دوں گا "

کتاب الخراج کی روایت سب سے زیادہ واضح ہے :

ولما رأی المال قد کثر قال لئن عشت الی ھٰذہ اللیلۃ من قابلٍ لالحقنّ اٰخر النّاس باولاھم حتّٰی یکونوا فی العطاء سواءً - قال فتوفی رحمہ اللہ قبل ذالک[1]

ترجمہ : (راوی کہتا ہے کہ) جب آپ نے یہ دیکھا کہ (فئے کا) مال بہت زیادہ آنے لگا ہے تو فرمایا۔ اگر میں آئندہ سال اس شب تک زندہ رہا تو (فئے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب کو برابر وظیفے ملنے لگیں۔ (راوی نے کہا کہ) آپ اس سے پہلے ہی انتقال فرما گئے اللہ آپ پر رحم فرمائے "

ان نظائر سے یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقسیم فئے میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ آپ نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا کتاب الخراج کی مذکورہ بالا روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مال فئے کی کثرت اس فیصلہ کا سبب بنی تھی لیکن یہ توجیہ کافی نظر نہیں آتی۔ سابقین اولین اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کا امتیاز برقرار رکھنے کا جو مقصد حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر تھا وہ اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جب مال فئے کی کثرت کے باوجود ان افراد کے حصے دوسرے افراد سے زیادہ ہوتے۔ صرف مال فئے کی کثرت اس بات کے لیے کافی وجہ نہیں بن سکتی کہ ان کے امتیازی مقام کو نظر انداز کر دیا جائے یہ بھی ممکن تھا کہ سب کے حصوں میں اضافہ کر دیا جاتا اور ممتاز لوگوں کو پھر بھی عام افراد سے زیادہ حصے ملتے۔

---

[1] ابو یوسف : کتاب الخراج ص ۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

— مساوی تقسیم کے اس نئے فیصلہ کے لیے ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسی مصلحت آئی ہو جس کو وہ ان مصالح پر ترجیح دینے لگے ہوں جو امتیازی سلوک اور غیر مساوی تقسیم کے وقت ان کے سامنے تھے۔

ہمارے نزدیک یہ نئی مصلحت ان مفاسد کے ازالہ کی ضرورت تھی جو سماج کے اندر تقسیم دولت میں بڑھتے ہوئے تفاوت سے پیدا ہو رہے تھے یا مستقبل میں پیدا ہو سکتے تھے۔ امتیازی حصّے کچھ لوگوں کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مال دار بنا رہے تھے: زیادہ مالدار لوگوں کے اندر معیارِ زندگی کو حدِ اعتدال سے زیادہ بلند کرنے، جائدادیں خریدنے اور جہاد فی سبیل اللہ میں کچھ سستی کے رجحانات پیدا ہوتے دیکھ کر آپ کی بصیرت نے یہ پہچان لیا ہو گا کہ ان رجحانات کو غیر مساوی تقسیم سے مزید تقویت حاصل ہو گی۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ آٹھ سال تک امتیازی سلوک کرنے کے بعد اب آپ کے نزدیک اس طریقہ کو باقی رکھنا اتنا ضروری نہ رہ گیا ہو کیونکہ جن افراد کو آپ ممتاز کرنا چاہتے تھے ان کو اس طویل عرصہ میں خاصا موقع مل چکا تھا۔

نئے فیصلہ کے مطابق جن لوگوں کو پہلے زیادہ حصّہ مل رہا تھا ان کے حصّہ میں کمی نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ پہلے کم حصّہ پاتے تھے ان کے حصّہ میں اتنا اضافہ پیشِ نظر تھا کہ سب کے حصّے برابر ہو جائیں۔ ایسا کرنا اسی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا کہ فیٔ کا مال اب پہلے سے زیادہ تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا توجیہ ہمارے نزدیک فیصلہ کے صرف اس پہلو پر منطبق ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ مالدار لوگوں کی فاضل دولت لے کر غریبوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے۔

عن ابی وائل قال قال عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذتُ فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علیٰ فقراء المهاجرین[1]

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۷۴ (حوادث ۲۳ ھ) تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو المحلّی لابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: "ابو وائل سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو امور میں پہلے طے کر چکا اگر انہیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملتا تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اُسے فقراء مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیتا۔"

اپنے دورِ خلافت کے آخری سال میں عمر فاروق رضؓ کا یہ ارشاد واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ آپ سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے پریشان رہنے لگے تھے اس صورت حال کی روشنی میں اپنے بعض گذشتہ فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور ایک راست اقدام کے ذریعے تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ روایت ہماری اس رائے کی بھی تائید کرتی ہے کہ تقسیم فئے کے بارے میں آپ کے نئے فیصلہ کی اصل گذشتہ پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ناہمواری اور بڑھتی ہوئی عدم مساوات تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عثمان رضؓ نے اموال فئے کی تقسیم میں مساوات کی پالیسی پر عمل نہیں کیا مزید برآں آپ نے عراق و شام کی زمینوں کو جن کا مالیہ آپ تک براہِ راست کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ متعینہ خراج پر درمیانی افراد کو دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ ابتداً یہ طریقہ اسلئے اختیار کیا گیا تھا کہ ریاست کو مالیہ وصول کرنے میں سہولت ہو۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے ریاست کی آمدنی بھی بڑھ گئی تھی[1]

ابو عبید رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ بھی صدیق اکبر رضؓ کی رائے کے مؤید تھے۔

وكذالك يروى عن على التسوية ايضاً[2]

اور اسی طرح حضرت علی رضؓ سے بھی مساوات ہی منقول ہے۔

لیکن حضرت علی رضؓ کا دورِ خلافت اضطراب کے عالم میں گذرا اور اس کے بعد اموی حکمرانوں

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے۔ کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار للمقریزی جلد ۲ ص ۵۱-۵۲

[2] کتاب الاموال ص ۲۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے نہ صرف یہ کہ معاشرہ میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی مالی پالیسی کے نتیجہ میں یہ تفاوت بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو آپؒ نے زندگی کے مختلف شعبوں کو اسلام کی اصل تعلیمات کے مطابق از سرِ نو منظم کرنے کی کوشش کی تو معاشی نظام میں بھی متعدد اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔

ہمیں اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن و سُنت کی تعلیمات کا صحیح مفہوم وہ ہے جو خلافت راشدہ کے عمل سے ہمارے سامنے آتا ہے اسلام کسی فرد پر کسب دولت کے سلسلے میں کوئی اصولی اور دائمی پابندی نہیں عائد کرتا لیکن اسے یہ بات پسند نہیں ہے کہ دولت سماج کے ایک طبقہ میں مرکوز ہو کر رہ جائے۔ قرآن، سنت نبوی اور خلافت راشدہ کے نظائر کی روشنی میں ہم اطمینان کے ساتھ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم کے اندر تفاوت کو کم کرنا اسلامی حکومت کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔

اس رائے کی مزید تائید قرآنی آیت "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ" سے بھی ہوتی ہے کہ اسلام کو معاشرہ میں عیش پرستوں اور مُترفین کے طبقہ کا ظہور سخت ناپسند ہے کیونکہ معاشرہ میں عیش کوشی اور عیش پرستی کرنے والے طبقہ کا ظہور اور غلبہ اس معاشرہ کی ہلاکت اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

معاشی پالیسی کے اس رہنما اصول کی روشنی میں دورِ جدید کی ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ظاہر ہے اس حکومت کو اس بات کی بھی فکر کرنی ہوگی کہ صدیوں کے غیر اسلامی نظامِ معیشت کی وجہ سے جو خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں ان کا بتدریج ازالہ کیا جائے۔ اصلاح حال کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ عشر و زکوٰۃ کے شرعی محاصل کو وصول کرنے اور متعینہ مدات میں صرف کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اخلاقی تربیت کے ذریعے ایک ایسی فضا پیدا کرنی ہوگی کہ اصحابِ دولت زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنے مال میں اہل حاجت کا حق تسلیم کریں۔ اسلام کے قانونِ وراثت کا پوری طرح نفاذ بھی اس اصول کے بعض تقاضوں کو پورا کرے گا۔ پھر سُود کی حرمت بے جا استحصال کے ایک بڑے دروازہ کو بند کر دے گی۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقدامات کے ساتھ اس طرف بھی توجہ کی جانی چاہیے کہ غیر اسلامی زمیندارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی ملکیت کا ایک طبقہ میں جو تمرکز وجود میں آ گیا ہے۔ اس کو ختم کیا جائے پھر اس بات کا بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ ریاست کے تعمیری اور ترقیاتی کاموں یا رفاہِ عامہ سے متعلق اُمور اور تعلیم، صحت و صفائی اور حمل و نقل کی سہولتوں کا جو انتظام ریاست کی جانب سے کیا جائے اس کے بیشتر فوائد بڑے کاروباریوں یا مالدار لوگوں ہی تک محدود نہ ہو جائیں۔ موجودہ عدم توازن کو دُور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان خدمات سے زیادہ تر فائدہ غریبوں اور کم آمدنی والے طبقوں کو پہنچے۔

موضوع زیرِ بحث میں ہم نے اسلامی حکومت کی صرف ان معاشی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا ہے جن کی انجام دہی شریعت کی روشنی میں اس پر لازم ہے اپنے شہریوں کی فلاح وبہبود کے اہتمام کی جو جامع ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے اس کے تقاضے کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسلامی ریاست کے کارکن ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے کیا کام ہو سکتے ہیں اور انھیں کس طرح انجام دیا جا سکتا ہے۔ دورِ جدید کی اسلامی ریاست میں اس کی ایک عملی شکل یہ ہو گی کہ منتخب نمائندوں پر مشتمل مجالس میں اس بات پر غور کیا جاتا رہے گا کہ ملک کی بھلائی کے کون سے کام حکومت کے سپرد کیے جائیں عوام کی بھلائی سے متعلق جو کام بھی باہمی مشورہ سے عمّال حکومت کے سپرد کیے جائیں وہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں شامل سمجھے جائیں گے۔ بنیادی ضروریات کی تکمیل، معاشی تعمیر و ترقی اور تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کی حیثیت ان شرعی وظائف کی ہے جو اسلامی ریاست پر اصولی طور پر عائد کی گئیں ہیں اور جن کو مذکورہ بالا مجالس کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر ایسے قوانین اور ضوابط کی شکل دینا ہو گا جن کا نفاذ ان ذمہ داریوں کی بتمام و کمال ادائیگی کا ضامن ہو سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیروزگاری کے مسئلے کا اسلامی حل

پروفیسر حافظ سید خالد محمود ترمذی
صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج نمبر۲ ڈیرہ اسماعیل خان

بسم اللہ ولہ الحمد وصلی اللہ علی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم

آج کل بیروزگاری کا مسئلہ ہر ملک وملت کے لیے ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے خواہ وہ ترقی یافتہ ہے یا ترقی پذیر۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسی کی بدولت نازی جرمنوں اور اٹلی میں فاشسٹوں نے جنم لیا جنہوں نے دنیا کو جنگ عظیم دوم میں الجھا دیا۔ امریکہ اور برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ممالک اس کی زد میں ہیں جنہوں نے بیروزگاری یا گذارہ الاؤنس کے ذریعے اس کی سنگینی کو وقتی طور پر کم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ مسئلے کا کوئی مستقل حل نہیں ہے۔

مختصر تاریخ

مسئلے کی قدامت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوتا ہے کہ اسلام کو بھی اپنے اوائل میں ہی اس کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ابتدا میں مکی معاشرے کے مالی طور پر کمزور، غریب افراد اور غلاموں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا جیسا کہ سورہ عبس کے الفاظ شاہد ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ آپ ستم رسیدہ غلاموں کو ان کے ظالم مالکوں سے خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔

اسی لیے اسلام نے اپنے آغاز کار میں ہی بیروزگاری کے سنگین مسئلے کے حل اور امداد باہمی کا بے مثال نظام قائم کرنے کی طرف روز اول سے بھرپور توجہ دی اور ترغیب وترہیب کے ذریعے مسلمانوں کو فقراء، یتامیٰ، مساکین اور محروم معاش افراد کی اعانت وامداد کے لیے آمادہ وتیار کیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسے اہل ثروت اور مالدار مسلمانوں کے لیے ایک لازمی فرض اور ان کے اموال پر عائد ایک واجب

© rasailojaraid.com